مِثْلَهُمْ ۚ بَلٰی ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِیْمُ ﴿۸۱﴾

جیسوں (۱) کے پیدا کرنے پر قادر نہیں' بے شک قادر ہے۔ اور وہی تو پیدا کرنے والا دانا (بینا) ہے۔ (۸۱)

اِنَّمَاۤ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَیَكُوْنُ ﴿۸۲﴾

وہ جب کبھی کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے اسے اتنا فرما دینا (کافی ہے) کہ ہو جا' وہ اسی وقت ہو جاتی ہے۔ (۲) (۸۲)

فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَكُوْتُ كُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

پس پاک ہے وہ اللہ جس کے ہاتھ میں ہر چیز کی بادشاہت ہے اور (۳) جس کی طرف تم سب لوٹائے جاؤ گے۔ (۴) (۸۳)

سُوْرَةُ الصّٰٓفّٰتِ

سورۂ صافات مکی ہے اور اس میں ایک سو بیاسی آیتیں اور پانچ رکوع ہیں۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ تعالیٰ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ﴿۱﴾

قسم ہے صف باندھنے والے (فرشتوں) کی۔ (۱)

فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ﴿۲﴾

پھر پوری طرح ڈانٹنے والوں کی۔ (۲)

فَالتّٰلِیٰتِ ذِكْرًا ﴿۳﴾

پھر ذکر اللہ کی تلاوت کرنے والوں کی۔ (۳)

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ ﴿۴﴾

یقیناً تم سب کا معبود ایک ہی ہے۔ (۵) (۴)

---

(۱) یعنی انسانوں جیسے۔ مطلب' انسانوں کا دوبارہ پیدا کرنا ہے جس طرح انہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا۔ آسمان و زمین کی پیدائش سے انسانوں کو دوبارہ پیدا کرنے پر استدلال کیا ہے۔ جس طرح دوسرے مقام پر فرمایا ﴿لَخَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَكْبَرُ مِنْ خَلْقِ النَّاسِ﴾ (المؤمن-۵۷) "آسمان و زمین کی پیدائش (لوگوں کے نزدیک) انسانوں کی پیدائش سے زیادہ مشکل کام ہے"۔ سورۂ احقاف-۳۳ میں بھی یہ مضمون بیان کیا گیا ہے۔

(۲) یعنی اس کی شان تو یہ ہے' پھر اس کے لیے سب انسانوں کا زندہ کر دینا کون سا مشکل معاملہ ہے؟

(۳) ملک اور ملکوت دونوں کے ایک ہی معنی ہیں' بادشاہی' جیسے رَحْمَةٌ اور رَحَمُوتٌ رَهْبَةٌ اور رَهَبُوتٌ' جَبْرٌ اور جَبَرُوتٌ وغیرہ ہیں۔ (ابن کثیر) بعض اس کو مبالغے کا صیغہ قرار دیتے ہیں۔ (فتح القدیر) یعنی مَلَكُوتٌ مُلْكٌ کا مبالغہ ہے۔

(۴) یعنی یہ نہیں ہو گا کہ مٹی میں رل مل کر تمہارا وجود ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے' نہیں' بلکہ اسے دوبارہ وجود عطا کیا جائے گا۔ یہ بھی نہیں ہو گا کہ تم بھاگ کر کسی اور کے پاس پناہ طلب کر لو۔ تمہیں بہرحال اللہ ہی کی بارگاہ میں حاضر ہونا ہو گا' جہاں وہ عملوں کے مطابق اچھی یا بری جزا دے گا۔

(۵) صَآفَّاتٌ، زَاجِرَاتٌ، تَالِيَاتٌ فرشتوں کی صفات ہیں۔ آسمانوں پر اللہ کی عبادت کے لیے صف باندھنے والے' یا اللہ

رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ ﴿٥﴾

آسمانوں اور زمین اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں اور مشرقوں کا رب وہی ہے۔[1] (۵)

اِنَّا زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِزِيْنَةِ الْكَوَاكِبِ ﴿٦﴾

ہم نے آسمان دنیا کو ستاروں کی زینت سے آراستہ کیا۔(۶)

وَحِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطٰنٍ مَّارِدٍ ﴿٧﴾

اور حفاظت کی سرکش شیطان سے۔[2] (۷)

لَا يَسَّمَّعُوْنَ اِلَى الْمَلَاِ الْاَعْلٰى وَيُقْذَفُوْنَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ ﴿٨﴾

عالم بالا کے فرشتوں (کی باتوں) کو سننے کے لیے وہ کان بھی نہیں لگا سکتے' بلکہ ہر طرف سے وہ مارے جاتے ہیں۔(۸)

دُحُوْرًا وَّلَهُمْ عَذَابٌ وَّاصِبٌ ﴿٩﴾

بھگانے کے لیے اور ان کے لیے دائمی عذاب ہے۔(۹)

اِلَّا مَنْ خَطِفَ الْخَطْفَةَ فَاَتْبَعَهٗ شِهَابٌ ثَاقِبٌ ﴿١٠﴾

مگر جو کوئی ایک آدھ بات اچک لے بھاگے تو (فوراً ہی) اس کے پیچھے دہکتا ہوا شعلہ لگ جاتا ہے۔(۱۰)

کے حکم کے انتظار میں صف بستہ' وعظ و نصیحت کے ذریعے سے لوگوں کو ڈانٹنے والے یا بادلوں کو' جہاں اللہ کا حکم ہو' وہاں ہانک کر لے جانے والے۔ اللہ کے ذکر یا قرآن کی تلاوت کرنے والے۔ ان فرشتوں کی قسم کھا کر اللہ تعالیٰ نے مضمون یہ بیان فرمایا کہ تمام انسانوں کا معبود ایک ہی ہے۔ متعدد نہیں' جیسا کہ مشرکین بنائے ہوئے ہیں۔ عرف عام میں قسم تاکید اور شک دور کرنے کے لیے کھائی جاتی ہے' اللہ تعالیٰ نے یہاں قسم اسی شک کو دور کرنے کے لیے کھائی ہے جو مشرکین اس کی وحدانیت و الوہیت کے بارے میں پھیلاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ہر چیز اللہ کی مخلوق اور مملوک ہے' اس لیے وہ جس چیز کو بھی گواہ بنا کر اس کی قسم کھائے' اس کے لیے جائز ہے۔ لیکن انسانوں کے لیے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھانا بالکل ناجائز اور حرام ہے' کیونکہ قسم میں' جس کی قسم کھائی جاتی ہے' اسے گواہ بنانا مقصود ہوتا ہے۔ اور گواہ اللہ کے سوا کوئی نہیں بن سکتا' کہ عالم الغیب صرف وہی ہے' اس کے سوا کوئی عالم الغیب نہیں۔

(۱) مطلب ہے مشارق و مغارب کا رب۔ جمع کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے جیسا کہ' بعض کہتے ہیں کہ سال کے دنوں کی تعداد کے برابر مشرق و مغرب ہیں۔ سورج ہر روز ایک مشرق سے نکلتا اور ایک مغرب میں غروب ہوتا ہے اور سورۂ رحمٰن میں مَشْرِقَيْنِ اور مَغْرِبَيْنِ ' تثنیہ کے ساتھ ہیں یعنی دو مشرق اور دو مغرب۔ اس سے مراد وہ مشرقین اور مغربین ہیں جن سے سورج گرمی اور سردی میں طلوع و غروب ہوتا ہے یعنی ایک انتہائی آخری مشرق و مغرب اور دوسرا مختصر یا قریب ترین مشرق و مغرب اور جہاں مشرق و مغرب کو مفرد ذکر کیا گیا ہے' اس سے مراد وہ جہت ہے جس سے سورج طلوع یا غروب ہوتا ہے (فتح القدیر)

(۲) یعنی آسمان دنیا پر' زینت کے علاوہ' ستاروں کا دوسرا مقصد یہ ہے کہ سرکش شیاطین سے حفاظت ہو۔ چنانچہ شیطان آسمان پر کوئی بات سننے کے لیے جاتے ہیں تو ستارے ان پر ٹوٹ کر گرتے ہیں جس سے بالعموم شیطان جل جاتے ہیں۔ جیسا کہ اگلی

فَاسْتَفْتِهِمْ أَهُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمْ مَّنْ خَلَقْنَا ۚ إِنَّا خَلَقْنَاهُم مِّن طِينٍ لَّازِبٍ ﴿۱۱﴾

ان کافروں سے پوچھو تو کہ آیا ان کا پیدا کرنا زیادہ دشوار ہے یا (ان کا) جنہیں ہم نے (ان کے علاوہ) پیدا کیا؟[۱] ہم نے (انسانوں) کو لیس دار مٹی سے پیدا کیا ہے؟[۲] (۱۱)

بَلْ عَجِبْتَ وَيَسْخَرُونَ ﴿۱۲﴾

بلکہ تو تعجب کر رہا ہے اور یہ مسخرا پن کر رہے ہیں۔[۳] (۱۲)

وَإِذَا ذُكِّرُوا لَا يَذْكُرُونَ ﴿۱۳﴾

اور جب انہیں نصیحت کی جاتی ہے یہ نہیں مانتے۔(۱۳)

وَإِذَا رَأَوْا آيَةً يَسْتَسْخِرُونَ ﴿۱۴﴾

اور جب کسی معجزے کو دیکھتے ہیں تو مذاق اڑاتے ہیں۔(۱۴)

وَقَالُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿۱۵﴾

اور کہتے ہیں کہ یہ تو بالکل کھلم کھلا جادو ہی ہے۔[۴] (۱۵)

أَإِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَإِنَّا لَمَبْعُوثُونَ ﴿۱۶﴾

کیا جب ہم مر جائیں گے اور خاک اور ہڈی ہو جائیں گے پھر کیا (سچ مچ) ہم اٹھائے جائیں گے؟(۱۶)

أَوَآبَاؤُنَا الْأَوَّلُونَ ﴿۱۷﴾

کیا ہم سے پہلے کے ہمارے باپ دادا بھی؟(۱۷)

قُلْ نَعَمْ وَأَنتُمْ دَاخِرُونَ ﴿۱۸﴾

آپ جواب دیجئے! کہ ہاں ہاں اور تم ذلیل (بھی) ہو گے۔[۵] (۱۸)

آیات اور احادیث سے واضح ہے۔ ستاروں کا ایک تیسرا مقصد رات کی تاریکیوں میں رہنمائی بھی ہے۔ جیسا کہ قرآن میں دوسرے مقام پر بیان فرمایا گیا ہے۔ ان مقاصد سہ گانہ کے علاوہ ستاروں کا اور کوئی مقصد بیان نہیں کیا گیا ہے۔

(۱) یعنی ہم نے جو زمین، ملائکہ اور آسمان جیسی چیزیں بنائی ہیں جو اپنے حجم اور وسعت کے لحاظ سے نہایت انوکھی ہیں۔ کیا ان لوگوں کی پیدائش اور دوبارہ ان کو زندہ کرنا، ان چیزوں کی تخلیق سے زیادہ سخت اور مشکل ہے؟ یقیناً نہیں۔

(۲) یعنی ان کے باپ آدم علیہ السلام کو تو ہم نے مٹی سے پیدا کیا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہ انسان آخرت کی زندگی کو اتنا مستبعد کیوں سمجھتے ہیں دراں حالیکہ ان کی پیدائش ایک نہایت ہی حقیر اور کمزور چیز سے ہوئی ہے۔ جب کہ خلقت میں ان سے زیادہ قوی، عظیم اور کامل ذاتم چیزوں کی پیدائش کا ان کو انکار نہیں۔ (فتح القدیر)

(۳) یعنی آپ کو تو منکرین آخرت کے انکار پر تعجب ہو رہا ہے کہ اس کے امکان بلکہ وجوب کے اتنے واضح دلائل کے باوجود وہ اسے مان کر نہیں دے رہے اور وہ آپ کے دعوائے قیامت کا مذاق اڑا رہے ہیں کہ یہ کیوں کر ممکن ہے؟

(۴) یعنی یہ ان کا شیوہ ہے کہ نصیحت قبول نہیں کرتے اور کوئی واضح دلیل یا معجزہ پیش کیا جائے تو استہزا کرتے اور انہیں جادو باور کراتے ہیں۔

(۵) جس طرح دوسرے مقام پر بھی فرمایا ﴿وَكُلٌّ أَتَوْهُ دَاخِرِينَ﴾ (النمل۔۸۷) ”سب اس کی بارگاہ میں ذلیل ہو کر آئیں گے“۔ ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَسْتَكْبِرُونَ عَنْ عِبَادَتِي سَيَدْخُلُونَ جَهَنَّمَ دَاخِرِينَ﴾ (المؤمن۔۶۰) ”جو لوگ میری عبادت سے

فَاِنَّمَا هِيَ زَجْرَةٌ وَّاحِدَةٌ فَاِذَا هُمْ يَنْظُرُوْنَ ﴿۱۹﴾

وہ تو صرف ایک زور کی جھڑکی ہے [۱] کہ یکایک یہ دیکھنے لگیں گے۔ [۲] (۱۹)

وَقَالُوْا يٰوَيْلَنَا هٰذَا يَوْمُ الدِّيْنِ ﴿۲۰﴾

اور کہیں گے کہ ہائے ہماری خرابی یہی جزا (سزا) کا دن ہے۔(۲۰)

هٰذَا يَوْمُ الْفَصْلِ الَّذِيْ كُنْتُمْ بِهٖ تُكَذِّبُوْنَ ﴿۲۱﴾

یہی فیصلہ کا دن ہے جسے تم جھٹلاتے رہے۔ [۳] (۲۱)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿۲۲﴾

ظالموں کو [۴] اور ان کے ہمراہیوں کو [۵] اور (جن) جن کی وہ اللہ کے علاوہ پرستش کرتے تھے۔ [۶] (۲۲)

مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَاهْدُوْهُمْ اِلٰى صِرَاطِ الْجَحِيْمِ ﴿۲۳﴾

(ان سب کو) جمع کر کے انہیں دوزخ کی راہ دکھا دو۔(۲۳)

وَقِفُوْهُمْ اِنَّهُمْ مَّسْئُوْلُوْنَ ﴿۲۴﴾

اور انہیں ٹھہرا لو، [۷] (اس لیے) کہ ان سے (ضروری) سوال کیے جانے والے ہیں۔(۲۴)

انکار کرتے ہیں، عنقریب وہ جہنم میں ذلیل و خوار ہو کر داخل ہوں گے''۔

(۱) یعنی وہ اللہ کے ایک ہی حکم اور اسرافیل علیہ السلام کی ایک ہی پھونک (نفخۂ ثانیہ) سے قبروں سے زندہ ہو کر نکل کھڑے ہوں گے۔

(۲) یعنی ان کے سامنے قیامت کے ہولناک مناظر اور میدان محشر کی سختیاں ہوں گی جنہیں وہ دیکھیں گے۔ نفخے یا چیخ کو زجرہ (ڈانٹ) سے تعبیر کیا، کیونکہ اس سے مقصود ڈانٹ ہی ہے۔

(۳) وَيْلٌ کا لفظ ہلاکت کے موقع پر بولا جاتا ہے، یعنی معاینۂ عذاب کے بعد انہیں اپنی ہلاکت صاف نظر آرہی ہوگی اور اس سے مقصود ندامت کا اظہار اور اپنی کوتاہیوں کا اعتراف ہے لیکن اس وقت ندامت اور اعتراف کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اسی لیے ان کے جواب میں فرشتے اور اہل ایمان کہیں گے کہ یہ وہی فیصلے کا دن ہے جسے تم مانتے نہیں تھے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ آپس میں ایک دوسرے کو کہیں گے۔

(۴) یعنی جنہوں نے کفرو شرک اور معاصی کا ارتکاب کیا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوگا۔

(۵) اس سے مراد کفرو شرک اور تکذیب رسل کے ساتھی یا بعض کے نزدیک جنات و شیاطین ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ وہ بیویاں ہیں جو کفرو شرک میں ان کی ہمنوا تھیں۔

(۶) مَا، عام ہے، تمام معبودین کو چاہے، وہ مورتیاں ہوں یا اللہ کے نیک بندے، سب کو ان کی تذلیل کے لیے جمع کیا جائے گا۔ تاہم نیک لوگوں کو تو اللہ جہنم سے دور ہی رکھے گا، اور دوسرے معبودوں کو ان کے ساتھ ہی جہنم میں ڈال دیا جائے گا تاکہ وہ دیکھ لیں کہ یہ کسی کو نفع نقصان پہنچانے پر قادر نہیں ہیں۔

(۷) یہ حکم جہنم میں لے جانے سے قبل ہوگا، کیونکہ حساب کے بعد ہی وہ جہنم میں جائیں گے۔

مَا لَكُمْ لَا تَنَاصَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ (اس وقت) تم ایک دوسرے کی مدد نہیں کرتے۔(۲۵)

بَلْ هُمُ الْيَوْمَ مُسْتَسْلِمُوْنَ ﴿۲۶﴾

بلکہ وہ (سب کے سب) آج فرمانبردار بن گئے۔(۲۶)

وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۲۷﴾

وہ ایک دوسرے کی طرف متوجہ ہو کر سوال و جواب کرنے لگیں گے۔(۲۷)

قَالُوْٓا اِنَّكُمْ كُنْتُمْ تَاْتُوْنَنَا عَنِ الْيَمِيْنِ ﴿۲۸﴾

کہیں گے کہ تم تو ہمارے پاس ہماری دائیں طرف سے آتے تھے۔[۱] (۲۸)

قَالُوْا بَلْ لَّمْ تَكُوْنُوْا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۹﴾

وہ جواب دیں گے کہ نہیں بلکہ تم ہی ایمان دار نہ تھے۔[۲] (۲۹)

وَمَا كَانَ لَنَا عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ ۚ بَلْ كُنْتُمْ قَوْمًا طٰغِيْنَ ﴿۳۰﴾

اور کچھ ہمارا زور تو تم پر تھا (ہی) نہیں۔ بلکہ تم (خود) سرکش لوگ تھے۔[۳] (۳۰)

فَحَقَّ عَلَيْنَا قَوْلُ رَبِّنَآ ۤ اِنَّا لَذَآىِٕقُوْنَ ﴿۳۱﴾

اب تو ہم (سب) پر ہمارے رب کی یہ بات ثابت ہو چکی کہ ہم (عذاب) چکھنے والے ہیں۔(۳۱)

فَاَغْوَيْنٰكُمْ اِنَّا كُنَّا غٰوِيْنَ ﴿۳۲﴾

پس ہم نے تمہیں گمراہ کیا ہم تو خود بھی گمراہ ہی تھے۔[۴] (۳۲)

---

(۱) اس کا مطلب ہے کہ دین اور حق کے نام سے آتے تھے یعنی باور کراتے تھے کہ یہی اصل دین اور حق ہے۔ اور بعض کے نزدیک مطلب ہے' ہر طرف سے آتے تھے' وَالشِّمَالِ محذوف ہے۔ جس طرح شیطان نے کہا تھا "میں ان کے آگے' پیچھے سے' ان کے دائیں بائیں سے ہر طرف سے ان کے پاس آؤں گا اور انہیں گمراہ کروں گا (الأعراف-۱۷)

(۲) لیڈر کہیں گے کہ ایمان تم اپنی مرضی سے نہیں لائے اور آج ذمے دار ہمیں ٹھہرا رہے ہو؟

(۳) تابعین اور متبوعین کی یہ باہمی تکرار قرآن کریم میں کئی جگہ بیان کی گئی ہے۔ ان کی ایک دوسرے کو یہ ملامت عرصۂ قیامت (میدان محشر) میں بھی ہوگی اور جہنم میں جانے کے بعد جہنم کے اندر بھی۔ ملاحظہ ہو۔ المؤمن-۴۷' ۴۸- سبا-۳۱' ۳۲- الأحزاب-۶۷' ۶۸- الأعراف-۳۸' ۳۹ وَغَيْرِهَا مِنَ الآيَاتِ.

(۴) یعنی جس بات کی پہلے' انہوں نے نفی کی' کہ ہمارا تم پر کون سا زور تھا کہ تمہیں گمراہ کرتے۔ اب اس کا یہاں اعتراف ہے کہ ہاں واقعی ہم نے تمہیں گمراہ کیا تھا۔ لیکن یہ اعتراف اس تنبیہ کے ساتھ کیا کہ ہمیں اس ضمن میں مورد طعن مت بناؤ' اس لیے کہ ہم خود بھی گمراہ ہی تھے' ہم نے تمہیں بھی اپنے جیسا ہی بنانا چاہا اور تم نے آسانی سے ہماری راہ اپنالی۔ جس طرح شیطان بھی اس روز کہے گا۔ ﴿وَمَا كَانَ لِيَ عَلَيْكُمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّآ اَنْ دَعَوْتُكُمْ فَاسْتَجَبْتُمْ لِيْ ۚ فَلَا تَلُوْمُوْنِيْ وَلُوْمُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ﴾ (ابراهيم-۲۲)

فَاِنَّهُمْ يَوْمَىِٕذٍ فِي الْعَذَابِ مُشْتَرِكُوْنَ ۝۳۳

سو اب آج کے دن تو (سب کے سب) عذاب میں شریک ہیں۔[1] (۳۳)

اِنَّا كَذٰلِكَ نَفْعَلُ بِالْمُجْرِمِيْنَ ۝۳۴

ہم گناہ گاروں کے ساتھ اسی طرح کیا کرتے ہیں۔[2] (۳۴)

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ ۝۳۵

یہ وہ (لوگ) ہیں کہ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں تو یہ سرکشی کرتے تھے۔[3] (۳۵)

وَيَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ ۝۳۶

اور کہتے تھے کہ کیا ہم اپنے معبودوں کو ایک دیوانے شاعر کی بات پر چھوڑ دیں؟[4] (۳۶)

بَلْ جَاۗءَ بِالْحَقِّ وَصَدَّقَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۳۷

(نہیں نہیں) بلکہ (نبی) تو حق (سچا دین) لائے ہیں اور سب رسولوں کو سچا جانتے ہیں۔[5] (۳۷)

اِنَّكُمْ لَذَاۗىِٕقُوا الْعَذَابِ الْاَلِيْمِ ۝۳۸

یقیناً تم دردناک عذاب (کا مزہ) چکھنے والے ہو۔ (۳۸)

وَمَا تُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝۳۹

تمہیں اسی کا بدلہ دیا جائے گا جو تم کرتے تھے۔[6] (۳۹)

---

(۱) اس لیے کہ ان کا جرم بھی مشترکہ ہے، شرک، معصیت اور شروفساد ان سب کا وطیرہ تھا۔

(۲) یعنی ہر قسم کے گناہ گاروں کے ساتھ ہمارا یہی معاملہ ہے اور اب وہ سب ہمارا عذاب بھگتیں گے۔

(۳) یعنی دنیا میں، جب ان سے کہا جاتا تھا کہ جس طرح مسلمانوں نے یہ کلمہ پڑھ کر شرک و معصیت سے توبہ کر لی ہے، تم بھی یہ پڑھ لو، تاکہ تم دنیا میں بھی مسلمانوں کے قہر و غضب سے بچ جاؤ اور آخرت میں بھی عذاب الٰہی سے تمہیں دوچار ہونا نہ پڑے، تو وہ تکبر کرتے اور انکار کرتے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔ أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا: لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، فَمَنْ قَالَ: (لا إله إلا الله) فَقَدْ عَصَمَ مِنِّي مَالَهُ وَنَفْسَهُ (متفق علیہ، مشکوٰۃ، کتاب الإيمان بحوالہ ابن کثیر) ”مجھے اس بات کا حکم دیا گیا ہے کہ میں اس وقت تک لوگوں سے قتال کروں جب تک وہ لا إله إلا الله کا اقرار نہ کر لیں۔ جس نے یہ اقرار کر لیا، اس نے اپنی جان اور مال کی حفاظت کر لی“۔

(۴) یعنی انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر اور مجنون کہا اور آپ کی دعوت کو جنون (دیوانگی) اور قرآن کو شعر سے تعبیر کیا اور کہا کہ ایک دیوانے کی دیوانگی پر ہم اپنے معبودوں کو کیوں چھوڑ دیں؟ حالانکہ یہ دیوانگی نہیں، فرزانگی تھی، شاعری نہیں، حقیقت تھی اور اس دعوت کے اپنانے میں ان کی ہلاکت نہیں، نجات تھی۔

(۵) یعنی تم ہمارے پیغمبر کو شاعر اور مجنون کہتے ہو، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ وہ جو کچھ لایا اور پیش کر رہا ہے، وہ سچ ہے اور وہی چیز ہے جو اس سے قبل تمام انبیا بھی پیش کرتے رہے ہیں۔ کیا یہ کام کسی دیوانے کا یا کسی شاعر کے تخیلات کا نتیجہ ہو سکتا ہے؟

(۶) یہ جہنمیوں کو اس وقت کہا جائے گا جب وہ کھڑے ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہوں گے اور ساتھ ہی وضاحت کر

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۴۰﴾
مگر اللہ تعالیٰ کے خالص برگزیدہ بندے۔[1] (۴۰)

اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۴۱﴾
انہیں کے لیے مقررہ روزی ہے۔(۴۱)

فَوَاكِهُ ۚ وَهُمْ مُّكْرَمُوْنَ ﴿۴۲﴾
(ہر طرح کے) میوے' اور وہ باعزت واکرام ہونگے۔(۴۲)

فِيْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۴۳﴾
نعمتوں والی جنتوں میں۔(۴۳)

عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ﴿۴۴﴾
تختوں پر ایک دوسرے کے سامنے (بیٹھے) ہوں گے۔(۴۴)

يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِكَاْسٍ مِّنْ مَّعِيْنٍ ﴿۴۵﴾
جاری شراب کے جام کا ان پر دور چل رہا ہو گا۔[2] (۴۵)

بَيْضَآءَ لَذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ﴿۴۶﴾
جو صاف شفاف اور پینے میں لذیذ ہو گی۔[3] (۴۶)

لَا فِيْهَا غَوْلٌ وَّلَا هُمْ عَنْهَا يُنْزَفُوْنَ ﴿۴۷﴾
نہ اس سے درد سر ہو اور نہ اسکے پینے سے بہکیں۔[4] (۴۷)

وَعِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ عِيْنٌ ﴿۴۸﴾
اور ان کے پاس نیچی نظروں' بڑی بڑی آنکھوں والی (حوریں) ہوں گی۔[5] (۴۸)

كَاَنَّهُنَّ بَيْضٌ مَّكْنُوْنٌ ﴿۴۹﴾
ایسی جیسے چھپائے ہوئے انڈے۔[6] (۴۹)

فَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَآءَلُوْنَ ﴿۵۰﴾
(جنتی) ایک دوسرے کی طرف رخ کر کے پوچھیں گے۔[7] (۵۰)

دی جائے گی کہ یہ ظلم نہیں ہے بلکہ عین عدل ہے کیونکہ یہ سب تمہارے اپنے عملوں کا بدلہ ہے۔

(۱) یعنی یہ عذاب سے محفوظ ہوں گے' ان کی کوتاہیوں سے بھی درگزر کر دیا جائے گا' اگر کچھ ہوں گی اور ایک ایک نیکی کا اجر انہیں کئی کئی گنا دیا جائے گا۔

(۲) كَاْسٌ' شراب کے بھرے ہوئے جام کو اور قدح خالی جام کو کہتے ہیں۔ مَعِیْنٍ کے معنی ہیں۔ جاری چشمہ۔ مطلب یہ ہے کہ جاری چشمے کی طرح' جنت میں شراب ہر وقت میسر رہے گی۔

(۳) دنیا میں شراب عام طور پر بد رنگ ہوتی ہے' جنت میں وہ جس طرح لذیذ ہوگی خوش رنگ بھی ہو گی۔

(۴) یعنی دنیا کی شراب کی طرح اس میں قے' سر درد' بدمستی اور بہکنے کا اندیشہ نہیں ہو گا۔

(۵) بڑی اور موٹی آنکھیں حسن کی علامت ہے یعنی حسین آنکھیں ہوں گی۔

(۶) یعنی شترمرغ اپنے پروں کے نیچے چھپائے ہوئے ہوں' جس کی وجہ سے وہ ہوا اور گرد و غبار سے محفوظ ہوں گے۔ کہتے ہیں شترمرغ کے انڈے بہت خوش رنگ ہوتے ہیں' جو زردی مائل سفید ہوتے ہیں اور ایسا رنگ حسن و جمال کی دنیا میں سب سے عمدہ سمجھا جاتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ تشبیہ' صرف سفیدی میں نہیں ہے بلکہ خوش رنگی اور حسن و رعنائی میں ہے۔

(۷) جنتی' جنت میں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے ہوئے' دنیا کے واقعات یاد کریں گے اور ایک دوسرے کو سنائیں گے۔

قَالَ قَائِلٌ مِّنْهُمْ إِنِّي كَانَ لِي قَرِينٌ ﴿۵۱﴾

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا۔ (۵۱)

يَقُولُ أَئِنَّكَ لَمِنَ الْمُصَدِّقِينَ ﴿۵۲﴾

جو (مجھ سے) کہا کرتا تھا کہ کیا تو (قیامت کے آنے کا) یقین کرنے والوں میں سے ہے؟[۱] (۵۲)

أَئِذَا مِتْنَا وَكُنَّا تُرَابًا وَعِظَامًا أَئِنَّا لَمَدِينُونَ ﴿۵۳﴾

کیا جب کہ ہم مر کر مٹی اور ہڈی ہو جائیں گے کیا اس وقت ہم جزا دیئے جانے والے ہیں؟[۲] (۵۳)

قَالَ هَلْ أَنتُم مُّطَّلِعُونَ ﴿۵۴﴾

کہے گا تم چاہتے ہو کہ جھانک کر دیکھ لو؟[۳] (۵۴)

فَاطَّلَعَ فَرَآهُ فِي سَوَاءِ الْجَحِيمِ ﴿۵۵﴾

جھانکتے ہی اسے بیچوں بیچ جہنم میں (جلتا ہوا) دیکھے گا۔ (۵۵)

قَالَ تَاللَّهِ إِن كِدتَّ لَتُرْدِينِ ﴿۵۶﴾

کہے گا واللہ! قریب تھا کہ تو مجھے (بھی) برباد کر دے۔ (۵۶)

وَلَوْلَا نِعْمَةُ رَبِّي لَكُنتُ مِنَ الْمُحْضَرِينَ ﴿۵۷﴾

اگر میرے رب کا احسان نہ ہوتا تو میں بھی دوزخ میں حاضر کئے جانے والوں میں ہوتا۔[۴] (۵۷)

أَفَمَا نَحْنُ بِمَيِّتِينَ ﴿۵۸﴾

کیا (یہ صحیح ہے) کہ ہم مرنے والے ہی نہیں؟[۵] (۵۸)

إِلَّا مَوْتَتَنَا الْأُولَىٰ وَمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِينَ ﴿۵۹﴾

بجز پہلی ایک موت کے،[۶] اور نہ ہم عذاب کیے جانے

---

(۱) یعنی یہ بات وہ استہزا اور مذاق کے طور پر کہا کرتا تھا، مقصد اس کا یہ تھا کہ یہ تو ناممکن ہے کیا ایسی ناممکن الوقوع بات پر تو یقین رکھتا ہے؟

(۲) یعنی ہمیں زندہ کر کے ہمارا حساب لیا جائے گا اور پھر اس کے مطابق جزا دی جائے گی؟

(۳) یعنی وہ جنتی، اپنے جنت کے ساتھیوں سے کہے گا کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ ذرا جہنم میں جھانک کر دیکھیں، شاید مجھے یہ باتیں کہنے والا وہاں نظر آجائے تو تمہیں بتلاؤں کہ یہ شخص تھا جو یہ باتیں کرتا تھا۔

(۴) یعنی جھانکنے پر اسے جہنم کے وسط میں وہ شخص نظر آجائے گا اور اسے یہ جنتی کہے گا کہ مجھے بھی تو گمراہ کر کے ہلاکت میں ڈالنے لگا تھا، یہ تو مجھ پر اللہ کا احسان ہوا، ورنہ آج میں بھی تیرے ساتھ جہنم میں ہوتا۔

(۵) جہنمیوں کا حشر دیکھ کر جنتی کے دل میں رشک کا جذبہ مزید بیدار ہو جائے گا اور کہے گا کہ ہمیں جو جنت کی زندگی اور اس کی نعمتیں ملی ہیں، کیا یہ دائمی نہیں؟ اور اب ہمیں موت آنے والی نہیں ہے؟ یہ استفہام تقریری ہے یعنی اب یہ زندگیاں دائمی ہیں، جنتی ہمیشہ جنت میں اور جہنمی ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، نہ انہیں موت آئے گی کہ جہنم کے عذاب سے چھوٹ جائیں اور نہ ہمیں کہ جنت کی نعمتوں سے محروم ہو جائیں، جس طرح حدیث میں آتا ہے کہ موت کو ایک مینڈھے کی شکل میں جنت اور دوزخ کے درمیان لا کر ذبح کر دیا جائے گا کہ اب کسی کو موت نہیں آئے گی۔

(۶) جو دنیا میں آچکی۔ اب ہمارے لیے موت ہے نہ عذاب۔

والے ہیں-(۵۹)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۶۰﴾

پھر تو (ظاہر بات ہے کہ) یہ بڑی کامیابی ہے-[۱] (۶۰)

لِمِثْلِ هٰذَا فَلْيَعْمَلِ الْعٰمِلُوْنَ ﴿۶۱﴾

ایسی (کامیابی) کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کرنا چاہیے-[۲] (۶۱)

اَذٰلِكَ خَيْرٌ نُّزُلًا اَمْ شَجَرَةُ الزَّقُّوْمِ ﴿۶۲﴾

کیا یہ مہمانی اچھی ہے یا سینڈھ (زقوم) کا درخت؟[۳] (۶۲)

اِنَّا جَعَلْنٰهَا فِتْنَةً لِّلظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۳﴾

جسے ہم نے ظالموں کے لیے سخت آزمائش بنا رکھا ہے-[۴] (۶۳)

اِنَّهَا شَجَرَةٌ تَخْرُجُ فِيْٓ اَصْلِ الْجَحِيْمِ ﴿۶۴﴾

بے شک وہ درخت جہنم کی جڑ میں سے نکلتا ہے-[۵] (۶۴)

طَلْعُهَا كَاَنَّهٗ رُءُوْسُ الشَّيٰطِيْنِ ﴿۶۵﴾

جسکے خوشے شیطانوں کے سروں جیسے ہوتے ہیں-[۶] (۶۵)

فَاِنَّهُمْ لَاٰكِلُوْنَ مِنْهَا فَمَالِـُٔوْنَ مِنْهَا الْبُطُوْنَ ﴿۶۶﴾

(جہنمی) اسی درخت میں سے کھائیں گے اور اسی سے پیٹ بھریں گے-[۷] (۶۶)

---

(۱) اس لیے کہ جہنم سے بچ جانے اور جنت کی نعمتوں کا مستحق قرار پا جانے سے بڑھ کر اور کیا کامیابی ہو گی؟

(۲) یعنی اس جیسی نعمت اور اس جیسے فضل عظیم ہی کے لیے محنت کرنے والوں کو محنت کرنی چاہیے' اس لیے کہ یہی سب سے نفع بخش تجارت ہے- نہ کہ دنیا کے لیے جو عارضی ہے- اور خسارے کا سودا ہے-

(۳) زَقُّوْمٌ، تَزَقُّمٌ سے مشتق ہے' جس کے معنی بدبودار اور کریہ چیز کے نگلنے کے ہیں- اس درخت کا پھل بھی کھانا اہل جہنم کے لیے سخت ناگوار ہو گا- کیوں کہ یہ سخت بدبودار' کڑوا اور نہایت کریہ ہو گا- بعض کہتے ہیں کہ یہ دنیا کے درختوں میں سے ہے اور عربوں میں متعارف ہے' یہ قطرب درخت ہے جو تہامہ میں پایا جاتا ہے- اور بعض کہتے ہیں کہ یہ کوئی دنیاوی درخت نہیں ہے' اہل دنیا کے لیے یہ غیر معروف ہے- (فتح القدیر) لیکن پہلا قول زیادہ صحیح ہے- اور یہ وہی درخت ہے جسے اردو میں سینڈھ یا تھوہر کہتے ہیں-

(۴) آزمائش' اس لیے کہ اس کا پھل کھانا بجائے خود ایک بہت بڑی آزمائش ہے- بعض نے اسے اس اعتبار سے آزمائش کہا کہ اس کے وجود کا انہوں نے انکار کیا کہ جہنم میں جب ہر طرف آگ ہی آگ ہو گی تو وہاں درخت کس طرح موجود رہ سکتا ہے؟ یہاں ظالمین سے مراد وہ اہل جہنم ہیں جن پر جہنم واجب ہو گی-

(۵) یعنی اس کی جڑ جہنم کی گہرائی میں ہو گی البتہ اس کی شاخیں ہر طرف پھیلی ہوئی ہوں گی-

(۶) اسے شناعت و قباحت میں شیطانوں کے سروں سے تشبیہ دی' جس طرح اچھی چیز کے بارے میں کہتے ہیں گویا کہ وہ فرشتہ ہے-

(۷) یہ انہیں نہایت کراہت سے کھانا پڑے گا جس سے ظاہر بات ہے پیٹ بوجھل ہی ہوں گے-

ثُمَّ اِنَّ لَهُمْ عَلَيْهَا لَشَوْبًا مِّنْ حَمِيْمٍ ﴿۶۷﴾
پھر اس پر گرم جلتے پانی کی ملونی ہوگی۔[1] (۶۷)

ثُمَّ اِنَّ مَرْجِعَهُمْ لَاِلَى الْجَحِيْمِ ﴿۶۸﴾
پھر ان سب کا لوٹنا جہنم کی (آگ کے ڈھیر کی) طرف ہوگا۔[2] (۶۸)

اِنَّهُمْ اَلْفَوْا اٰبَآءَهُمْ ضَآلِّيْنَ ﴿۶۹﴾
یقین مانو! کہ انہوں نے اپنے باپ دادا کو بہکا ہوا پایا۔ (۶۹)

فَهُمْ عَلٰٓى اٰثٰرِهِمْ يُهْرَعُوْنَ ﴿۷۰﴾
اور یہ انہی کے نشان قدم پر دوڑتے رہے۔[3] (۷۰)

وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ اَكْثَرُ الْاَوَّلِيْنَ ﴿۷۱﴾
ان سے پہلے بھی بہت سے اگلے بہک چکے ہیں۔[4] (۷۱)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا فِيْهِمْ مُّنْذِرِيْنَ ﴿۷۲﴾
جن میں ہم نے ڈرانے والے (رسول) بھیجے تھے۔[5] (۷۲)

فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۷۳﴾
اب تو دیکھ لے کہ جنہیں دھمکایا گیا تھا ان کا انجام کیسا کچھ ہوا۔ (۷۳)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۷۴﴾
سوائے اللہ کے برگزیدہ بندوں کے۔[6] (۷۴)

وَلَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِيْبُوْنَ ﴿۷۵﴾
اور ہمیں نوح (علیہ السلام) نے پکارا تو (دیکھ لو) ہم کیسے اچھے دعا قبول کرنے والے ہیں۔[7] (۷۵)

---

(۱) یعنی کھانے کے بعد انہیں پانی کی طلب ہوگی تو کھولتا ہوا گرم پانی انہیں دیا جائے گا، جس کے پینے سے ان کی انتڑیاں کٹ جائیں گی (سورۂ محمد-۱۵)

(۲) یعنی زقوم کے کھانے اور گرم پانی کے پینے کے بعد انہیں دوبارہ جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔

(۳) یہ جہنم کی مذکورہ سزاؤں کی علت ہے کہ اپنے باپ دادوں کو گمراہی پر پانے کے باوجود یہ انہی کے نقش قدم پر چلتے رہے اور دلیل و حجت کے مقابلے میں تقلید کو اپنائے رکھا، إِهْرَاعٌ إِسْرَاعٌ کے معنی میں ہے یعنی دوڑنا اور نہایت شوق سے اور لپک کر پکڑنا اور اختیار کرنا۔

(۴) یعنی یہی گمراہ نہیں ہوئے، ان سے پہلے لوگ بھی اکثر گمراہی ہی کے راستے پر چلنے والے تھے۔

(۵) یعنی ان سے پہلے لوگوں میں۔ انہوں نے حق کا پیغام پہنچایا اور عدم قبول کی صورت میں انہیں اللہ کے عذاب سے ڈرایا، لیکن ان پر کوئی اثر نہیں ہوا نتیجتاً انہیں تباہ کر دیا گیا، جیسا کہ اگلی آیت میں ان کے عبرت ناک انجام کی طرف اشارہ فرمایا۔

(۶) یعنی عبرت ناک انجام سے صرف وہ محفوظ رہے جن کو اللہ نے ایمان و توحید کی توفیق سے نواز کر بچا لیا۔ مُخْلَصِيْنَ، وہ لوگ جو عذاب سے بچے رہے، مُنْذَرِيْنَ (تباہ ہونے والی قوموں) کے اجمالی ذکر کے بعد اب چند مُنْذِرِيْنَ (پیغمبروں) کا ذکر کیا جا رہا ہے۔

(۷) یعنی ساڑھے نو سو سال کی تبلیغ کے باوجود جب قوم کی اکثریت نے ان کی تکذیب ہی کی اور انہوں نے محسوس کر لیا کہ

وَنَجَّيْنٰهُ وَأَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿٧٦﴾

ہم نے اسے اور اس کے گھر والوں کو (۱) اس زبردست مصیبت سے بچالیا-(۷۶)

وَجَعَلْنَا ذُرِّيَّتَهٗ هُمُ الْبٰقِيْنَ ﴿٧٧﴾

اور اس کی اولاد کو ہم نے باقی رہنے والی بنادی- (۲) (۷۷)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿٧٨﴾

اور ہم نے اس کا (ذکر خیر) پچھلوں میں باقی رکھا- (۳) (۷۸)

سَلٰمٌ عَلٰى نُوْحٍ فِي الْعٰلَمِيْنَ ﴿٧٩﴾

نوح (علیہ السلام) پر تمام جہانوں میں سلام ہو-(۷۹)

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٠﴾

ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلے دیتے ہیں- (۴) (۸۰)

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿٨١﴾

وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا-(۸۱)

ثُمَّ اَغْرَقْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿٨٢﴾

پھر ہم نے دوسروں کو ڈبو دیا-(۸۲)

وَاِنَّ مِنْ شِيْعَتِهٖ لَاِبْرٰهِيْمَ ﴿٨٣﴾

اور اس (نوح علیہ السلام کی) تابعداری کرنے والوں میں سے (ہی) ابراہیم (علیہ السلام بھی) تھے- (۵) (۸۳)

ایمان لانے کی کوئی امید نہیں ہے تو اپنے رب کو پکارا- ﴿ فَدَعَا رَبَّهٗٓ اَنِّيْ مَغْلُوْبٌ فَانْتَصِرْ ﴾ (سورة القمر ۱۰) ”یا اللہ میں مغلوب ہوں، میری مدد فرما“- چنانچہ ہم نے نوح علیہ السلام کی دعا قبول کی اور ان کی قوم کو طوفان بھیج کر ہلاک کر دیا-

(۱) أَهْلٌ سے مراد، حضرت نوح علیہ السلام پر ایمان لانے والے ہیں، جن میں ان کے گھر کے افراد بھی ہیں جو مومن تھے- بعض مفسرین نے ان کی کل تعداد ۸۰ بتلائی ہے- اس میں آپ کی بیوی اور ایک لڑکا شامل نہیں، جو مومن نہیں تھے، وہ بھی طوفان میں غرق ہو گئے- کرب عظیم (زبردست مصیبت) سے مراد وہی سیلاب عظیم ہے جس میں یہ قوم غرق ہوئی-

(۲) اکثر مفسرین کے قول کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کے تین بیٹے تھے- حام، سام، یافث- انہی سے بعد کی نسل انسانی چلی- اسی لیے حضرت نوح علیہ السلام کو آدم ثانی بھی کہا جاتا ہے یعنی آدم علیہ السلام کی طرح، آدم علیہ السلام کے بعد یہ دوسرے ابوالبشر ہیں- سام کی نسل سے عرب، فارس، روم اور یہود و نصاریٰ ہیں- حام کی نسل سے سوڈان (مشرق سے مغرب تک) یعنی سندھ، ہند، نوب، زنج، حبشہ، قبط اور بربر وغیرہم ہیں اور یافث کی نسل سے صقالبہ، ترک، خزر اور یاجوج و ماجوج وغیرہم ہیں- (فتح القدیر) واللہُ أَعْلَمُ

(۳) یعنی قیامت تک آنے والے اہل ایمان میں ہم نے نوح علیہ السلام کا ذکر خیر باقی چھوڑ دیا ہے اور وہ سب نوح علیہ السلام پر سلام بھیجتے ہیں اور بھیجتے رہیں گے-

(۴) یعنی جس طرح نوح علیہ السلام کی دعا قبول کر کے، ان کی ذریت کو باقی رکھ کے اور پچھلوں میں ان کا ذکر خیر باقی رکھ کے ہم نے نوح علیہ السلام کو عزت و تکریم بخشی- اسی طرح جو بھی اپنے اقوال و افعال میں محسن اور اس باب میں راسخ اور معروف ہو گا، اس کے ساتھ بھی ہم ایسا معاملہ کریں گے-

(۵) شِيْعَةٌ کے معنی گروہ اور پیروکار کے ہیں- یعنی ابراہیم علیہ السلام بھی اہل دین و اہل توحید کے اسی گروہ سے ہیں

اِذْ جَآءَ رَبَّهٗ بِقَلْبٍ سَلِيْمٍ ﴿۸۴﴾
جبکہ اپنے رب کے پاس بے عیب دل لائے۔(۸۴)

اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۸۵﴾
انہوں نے اپنے باپ اور اپنی قوم سے کہا کہ تم کیا پوج رہے ہو؟(۸۵)

اَئِفْكًا اٰلِهَةً دُوْنَ اللّٰهِ تُرِيْدُوْنَ ﴿۸۶﴾
کیا تم اللہ کے سوا گھڑے ہوئے معبود چاہتے ہو؟[1] (۸۶)

فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۷﴾
تو یہ (بتلاؤ کہ) تم نے رب العالمین کو کیا سمجھ رکھا ہے؟[2] (۸۷)

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُوْمِ ﴿۸۸﴾
اب ابراہیم (علیہ السلام) نے ایک نگاہ ستاروں کی طرف اٹھائی۔(۸۸)

فَقَالَ اِنِّيْ سَقِيْمٌ ﴿۸۹﴾
اور کہا میں تو بیمار ہوں۔[3] (۸۹)

فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِيْنَ ﴿۹۰﴾
اس پر وہ سب اس سے منہ موڑے ہوئے واپس چلے گئے۔(۹۰)

جن کو نوح علیہ السلام ہی کی طرح انابت الی اللہ کی توفیق خاص نصیب ہوئی۔

(۱) یعنی اپنی طرف سے ہی جھوٹ گھڑ کے کہ یہ معبود ہیں، تم اللہ کو چھوڑ کر ان کی عبادت کرتے ہو، دراں حالیکہ یہ پتھر اور مورتیاں ہیں۔

(۲) یعنی اتنی قبیح حرکت کرنے کے باوجود کیا وہ تم پر ناراض نہیں ہو گا اور تمہیں سزا نہیں دے گا۔

(۳) آسمان پر غور و فکر کے لیے دیکھا جیسا کہ بعض لوگ ایسا کرتے ہیں۔ یا اپنی قوم کے لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لیے ایسا کیا، جو کہ ستاروں کی گردش کو حوادث زمانہ میں مؤثر مانتے تھے۔ یہ واقعہ اس وقت کا ہے کہ جب ان کی قوم کا وہ دن آیا، جسے وہ باہر جا کر بطور عید اور قومی تہوار منایا کرتی تھی۔ قوم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ساتھ چلنے کی دعوت دی۔ لیکن ابراہیم علیہ السلام تنہائی اور موقعے کی تلاش میں تھے، تاکہ ان کے بتوں کا تیاپانچہ کیا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے یہ موقع غنیمت جانا کہ کل ساری قوم باہر میلے میں چلی جائے گی تو میں اپنا منصوبہ بروئے کار لے آؤں گا۔ اور کہہ دیا کہ میں بیمار ہوں یا آسمانوں کی گردش بتلاتی ہے کہ میں بیمار ہونے والا ہوں۔ یہ بات بالکل جھوٹی تو نہیں تھی، ہر انسان کچھ نہ کچھ بیمار ہوتا ہی ہے، علاوہ ازیں قوم کا شرک حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دل کا ایک مستقل روگ تھا، جسے دیکھ کر وہ کڑھتے رہتے تھے۔ یوں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تعریض اور توریے کا اظہار فرمایا جو اگرچہ جھوٹ نہیں ہوتا لیکن مخاطب اس کے متبادر مفہوم سے مغالطے کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس لیے حدیث ثلاث کذبات میں اسے جھوٹ سے تعبیر کیا گیا ہے، جیسا کہ اس کی ضروری تفصیل سورۂ انبیاء ۔۶۳ میں گزر چکی ہے۔

فَرَاغَ اِلٰۤى اٰلِهَتِهِمْ فَقَالَ اَلَا تَاْكُلُوْنَ ﴿۹۱﴾

آپ (چپ چپاتے) ان کے معبودوں کے پاس گئے اور فرمانے لگے تم کھاتے کیوں نہیں؟ [1] (۹۱)

مَا لَكُمْ لَا تَنْطِقُوْنَ ﴿۹۲﴾

تمہیں کیا ہو گیا کہ بات تک نہیں کرتے ہو۔(۹۲)

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًۢا بِالْيَمِيْنِ ﴿۹۳﴾

پھر تو (پوری قوت کے ساتھ) دائیں ہاتھ سے انہیں مارنے پر پل پڑے۔ [2] (۹۳)

فَاَقْبَلُوْۤا اِلَيْهِ يَزِفُّوْنَ ﴿۹۴﴾

وہ (بت پرست) دوڑے بھاگے آپ کی طرف متوجہ ہوئے۔ [3] (۹۴)

قَالَ اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ ﴿۹۵﴾

تو آپ نے فرمایا تم انہیں پوجتے ہو جنہیں (خود) تم تراشتے ہو۔(۹۵)

وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

حالانکہ تمہیں اور تمہاری بنائی ہوئی چیزوں کو اللہ ہی نے پیدا کیا ہے۔ [4] (۹۶)

قَالُوا ابْنُوْا لَهٗ بُنْيَانًا فَاَلْقُوْهُ فِي الْجَحِيْمِ ﴿۹۷﴾

وہ کہنے لگے اس کے لیے ایک مکان بناؤ اور اس (دہکتی ہوئی) آگ میں اسے ڈال دو۔(۹۷)

فَاَرَادُوْا بِهٖ كَيْدًا فَجَعَلْنٰهُمُ الْاَسْفَلِيْنَ ﴿۹۸﴾

انہوں نے تو اس (ابراہیم علیہ السلام) کے ساتھ مکر کرنا

---

(۱) یعنی جو حلویات بطور تبرک وہاں پڑی ہوئی تھیں، وہ انہیں کھانے کے لیے پیش کیں، جو ظاہر بات ہے انھیں نہ کھانی تھیں نہ کھائیں بلکہ وہ جواب دینے پر بھی قادر نہ تھے، اس لیے جواب بھی نہیں دیا۔

(۲) رَاغَ کے معنی ہیں، مَالَ، ذَهَبَ، أَقْبَلَ، یہ سب متقارب المعنی ہیں، ان کی طرف متوجہ ہوئے ضَرْبٌۢ بِالْيَمِيْنِ کا مطلب ہے ان کو زور سے مار مار کر توڑ ڈالنا۔

(۳) يَزِفُّوْنَ، يُسْرِعُوْنَ کے معنی میں ہے، دوڑتے ہوئے آئے۔ یعنی جب میلے سے آئے تو دیکھا کہ ان کے معبود ٹوٹے پھوٹے پڑے ہیں تو فوراً ان کا ذہن ابراہیم علیہ السلام کی طرف گیا، کہ یہ کام اسی نے کیا ہو گا، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں تفصیل گزر چکی ہے چنانچہ انہیں پکڑ کر عوام کی عدالت میں لے آئے۔ وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس بات کا موقع مل گیا کہ وہ ان پر ان کی بے عقلی اور ان کے معبودوں کی بے اختیاری واضح کریں۔

(۴) یعنی وہ مورتیاں اور تصویریں بھی جنہیں تم اپنے ہاتھوں سے بناتے اور انہیں معبود سمجھتے ہو، یا مطلق تمہارا عمل جو بھی تم کرتے ہو، ان کا خالق بھی اللہ ہے۔ اس سے واضح ہے کہ بندوں کے افعال کا خالق اللہ ہی ہے، جیسا کہ اہل سنت کا عقیدہ ہے۔

چاہا لیکن ہم نے انہی کو نیچا کر دیا۔[1] (۹۸)

وَقَالَ اِنِّیْ ذَاهِبٌ اِلٰی رَبِّیْ سَيَهْدِيْنِ ﴿۹۹﴾

اور اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میں تو ہجرت کر کے اپنے پروردگار کی طرف جانے والا ہوں۔[2] وہ ضرور میری رہنمائی کرے گا۔(۹۹)

رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۰۰﴾

اے میرے رب! مجھے نیک بخت اولاد عطا فرما۔(۱۰۰)

فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ ﴿۱۰۱﴾

تو ہم نے اسے ایک بردبار بچے کی بشارت دی۔[3] (۱۰۱)

فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يٰبُنَيَّ اِنِّيْٓ اَرٰى فِي الْمَنَامِ اَنِّيْٓ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى ۭ قَالَ يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۰۲﴾

پھر جب وہ (بچہ) اتنی عمر کو پہنچا کہ اس کے ساتھ چلے پھرے،[4] تو اس (ابراہیم علیہ السلام) نے کہا میرے پیارے بچے! میں خواب میں اپنے آپ کو تجھے ذبح کرتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ اب تو بتا کہ تیری کیا رائے ہے؟[5] بیٹے نے جواب دیا کہ ابا! جو حکم ہوا ہے اسے بجا لائیے ان شاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔(۱۰۲)

فَلَمَّآ اَسْلَمَا وَتَلَّهٗ لِلْجَبِيْنِ ﴿۱۰۳﴾

غرض جب دونوں مطیع ہو گئے اور اس نے (باپ نے) اس کو (بیٹے کو) پیشانی[6] کے بل گرا دیا۔(۱۰۳)

---

(۱) یعنی آگ کو گلزار بنا کر ان کے مکر و حیلے کو ناکام بنا دیا، پس پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندوں کی چارہ سازی فرماتا ہے، اور آزمائش کو عطا میں اور شر کو خیر میں بدل دیتا ہے۔

(۲) حضرت ابراہیم علیہ السلام کا یہ واقعہ بابل (عراق) میں پیش آیا، بالآخر یہاں سے ہجرت کی اور شام چلے گئے اور وہاں جا کر اولاد کے لیے دعا کی (فتح القدیر)

(۳) حَلِيْمٍ کہہ کر اشارہ فرما دیا کہ بچہ بڑا ہو کر بردبار ہو گا۔

(۴) یعنی دوڑ دھوپ کے لائق ہو گیا یا بلوغت کے قریب پہنچ گیا، بعض کہتے ہیں کہ اس وقت یہ بچہ ۱۳ سال کا تھا۔

(۵) پیغمبر کا خواب، وحی اور حکم الٰہی ہی ہوتا ہے۔۔ جس پر عمل ضروری ہوتا ہے۔ بیٹے سے مشورے کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ بیٹا بھی امتثال امر الٰہی کے لیے کس حد تک تیار ہے؟

(۶) ہر انسان کے منہ (چہرے) پر دو جبینیں (دائیں اور بائیں) ہوتی ہیں اور درمیان میں پیشانی (جَبْهَةٌ) اس لیے لِلْجَبِيْنِ کا زیادہ صحیح ترجمہ "کروٹ پر" ہے یعنی اس طرح کروٹ پر لٹا لیا، جس طرح جانور کو ذبح کرتے وقت قبلہ رخ کروٹ پر لٹایا جاتا ہے۔ "پیشانی یا منہ کے بل لٹانے کا" ترجمہ اس لیے کیا جاتا ہے کہ

وَنَادَيْنٰهُ اَنْ يّٰٓاِبْرٰهِيْمُ ﴿۱۰۴﴾
تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم! (۱۰۴)

قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۰۵﴾
یقیناً تو نے اپنے خواب کو سچا کر دکھایا'[1] بیشک ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح جزا دیتے ہیں۔ (۱۰۵)

اِنَّ هٰذَا لَهُوَ الْبَلٰٓؤُا الْمُبِيْنُ ﴿۱۰۶﴾
در حقیقت یہ کھلا امتحان تھا۔[2] (۱۰۶)

وَفَدَيْنٰهُ بِذِبْحٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۰۷﴾
اور ہم نے ایک بڑا ذبیحہ اس کے فدیہ میں دے دیا۔[3] (۱۰۷)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِ فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿۱۰۸﴾
اور ہم نے ان کا ذکر خیر پچھلوں میں باقی رکھا۔ (۱۰۸)

سَلٰمٌ عَلٰٓي اِبْرٰهِيْمَ ﴿۱۰۹﴾
ابراہیم (علیہ السلام) پر سلام ہو۔ (۱۰۹)

كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۱۰﴾
ہم نیکو کاروں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔ (۱۱۰)

اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۱﴾
بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھا۔ (۱۱۱)

وَبَشَّرْنٰهُ بِاِسْحٰقَ نَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۲﴾
اور ہم نے اس کو اسحاق (علیہ السلام) نبی کی بشارت دی جو صالح لوگوں میں سے ہوگا۔[4] (۱۱۲)

مشہور ہے حضرت اسماعیل علیہ السلام نے وصیت کی کہ انہیں اس طرح لٹایا جائے کہ چہرہ سامنے نہ رہے جس سے پیار و شفقت کا جذبہ امر الٰہی پر غالب آنے کا امکان نہ رہے۔

(۱) یعنی دل کے پورے ارادے سے بچے کو ذبح کرنے کے لیے زمین پر لٹا دینے سے ہی تو نے اپنا خواب سچا کر دکھایا ہے' کیونکہ اس سے واضح ہو گیا کہ اللہ کے حکم کے مقابلے میں تجھے کوئی چیز بھی عزیز تر نہیں ہے' حتیٰ کہ اکلوتا بیٹا بھی۔

(۲) یعنی لاڈلے بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم' یہ ایک بڑی آزمائش تھی جس میں تو سرخرو رہا۔

(۳) یہ بڑا ذبیحہ ایک مینڈھا تھا جو اللہ تعالیٰ نے جنت سے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ذریعے سے بھیجا۔ (ابن کثیر) اسماعیل علیہ السلام کی جگہ اسے ذبح کیا گیا اور پھر اس سنت ابراہیمی کو قیامت تک قرب الٰہی کے حصول کا ایک ذریعہ اور عیدالاضحیٰ کا سب سے پسندیدہ عمل قرار دے دیا گیا۔

(۴) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مذکورہ واقعے کے بعد اب ایک بیٹے اسحاق علیہ السلام کی اور اس کے نبی ہونے کی خوش خبری دینے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے پہلے جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا' وہ اسماعیل علیہ السلام تھے۔ جو اس وقت ابراہیم علیہ السلام کے اکلوتے بیٹے تھے۔ اسحاق علیہ السلام کی ولادت ان کے بعد ہوئی ہے۔ مفسرین کے درمیان اس کی بابت اختلاف ہے کہ ذبیح کون ہے' اسماعیل علیہ السلام یا اسحاق علیہ السلام؟ امام ابن جریر نے حضرت اسحاق علیہ السلام کو اور ابن کثیر اور اکثر مفسرین نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کو ذبیح قرار دیا ہے اور یہی بات صحیح ہے۔ امام شوکانی نے اس میں توقف اختیار کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھئے تفسیر فتح القدیر اور تفسیر ابن کثیر)

وَبٰرَكْنَا عَلَيْهِ وَعَلٰٓى اِسْحٰقَ ۭ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِمَا مُحْسِنٌ وَّظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ مُبِيْنٌ ﴿١١٣﴾

اور ہم نے ابراہیم و اسحاق (علیہما السلام) پر برکتیں نازل فرمائیں،[1] اور ان دونوں کی اولاد میں بعضے تو نیک بخت ہیں اور بعض اپنے نفس پر صریح ظلم کرنے والے ہیں۔[2] (۱۱۳)

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١١٤﴾

یقیناً ہم نے موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر بڑا احسان کیا۔[3] (۱۱۴)

وَنَجَّيْنٰهُمَا وَقَوْمَهُمَا مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿١١٥﴾

اور انہیں اور ان کی قوم کو بہت بڑے دکھ درد سے نجات دے دی۔[4] (۱۱۵)

وَنَصَرْنٰهُمْ فَكَانُوْا هُمُ الْغٰلِبِيْنَ ﴿١١٦﴾

اور ان کی مدد کی تو وہی غالب رہے۔(۱۱۶)

وَاٰتَيْنٰهُمَا الْكِتٰبَ الْمُسْتَبِيْنَ ﴿١١٧﴾

اور ہم نے انہیں (واضح اور) روشن کتاب دی۔(۱۱۷)

وَهَدَيْنٰهُمَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١١٨﴾

اور انہیں سیدھے راستہ پر قائم رکھا۔(۱۱۸)

وَتَرَكْنَا عَلَيْهِمَا فِي الْاٰخِرِيْنَ ﴿١١٩﴾

اور ہم نے ان دونوں کے لیے پیچھے آنے والوں میں یہ بات باقی رکھی۔(۱۱۹)

سَلٰمٌ عَلٰي مُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ﴿١٢٠﴾

کہ موسیٰ اور ہارون (علیہما السلام) پر سلام ہو۔(۱۲۰)

---

(۱) یعنی ان دونوں کی اولاد کو بہت پھیلایا اور انبیا و رسل کی زیادہ تعداد انہی کی نسل سے ہوئی۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے بیٹے یعقوب علیہ السلام ہوئے، جن کے بارہ بیٹوں سے بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلے بنے اور ان سے بنی اسرائیل کی قوم بڑھی اور پھیلی اور اکثر انبیا انہی میں سے ہوئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے بیٹے اسماعیل علیہ السلام سے عربوں کی نسل چلی اور ان میں آخری پیغمبر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوئے۔

(۲) شرک و معصیت اور ظلم و فساد کا ارتکاب کرکے۔ خاندان ابراہیمی میں برکت کے باوجود نیک و بد کے ذکر سے اس طرف اشارہ کر دیا کہ خاندان اور آبا کی نسبت، اللہ کے ہاں کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہاں تو ایمان اور عمل صالح کی اہمیت ہے۔ یہود و نصاریٰ اگرچہ حضرت اسحاق علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ اسی طرح مشرکین عرب حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد سے ہیں۔ لیکن ان کے جو اعمال ہیں وہ کھلی گمراہی یا شرک و معصیت پر مبنی ہیں۔ اس لیے یہ اونچی نسبتیں ان کے لیے عمل کا بدل نہیں ہو سکتیں۔

(۳) یعنی انہیں نبوت و رسالت اور دیگر انعامات سے نوازا۔

(۴) یعنی فرعون کی غلامی اور اس کے ظلم و استبداد سے۔

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۲۱﴾

بے شک ہم نیک لوگوں کو اسی طرح بدلے دیا کرتے ہیں۔(۱۲۱)

اِنَّهُمَا مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۲۲﴾

یقیناً یہ دونوں ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔(۱۲۲)

وَاِنَّ اِلْیَاسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۱۲۳﴾

بے شک الیاس (علیہ السلام) بھی پیغمبروں میں سے تھے۔[1] (۱۲۳)

اِذْ قَالَ لِقَوْمِهٖۤ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

جبکہ انہوں نے اپنی قوم سے فرمایا کہ تم اللہ سے ڈرتے نہیں ہو۔؟[2] (۱۲۴)

اَتَدْعُوْنَ بَعْلًا وَّتَذَرُوْنَ اَحْسَنَ الْخٰلِقِیْنَ ﴿۱۲۵﴾

کیا تم بعل (نامی بت) کو پکارتے ہو؟ اور سب سے بہتر خالق کو چھوڑ دیتے ہو؟(۱۲۵)

اللّٰهَ رَبَّكُمْ وَرَبَّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِیْنَ ﴿۱۲۶﴾

اللہ جو تمہارا اور تمہارے اگلے تمام باپ دادوں کا رب ہے۔[3] (۱۲۶)

فَكَذَّبُوْهُ فَاِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

لیکن قوم نے انہیں جھٹلایا' پس وہ ضرور (عذاب میں) حاضر رکھے[4] جائیں گے'(۱۲۷)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِیْنَ ﴿۱۲۸﴾

سوائے اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں کے۔(۱۲۸)

وَتَرَكْنَا عَلَیْهِ فِی الْاٰخِرِیْنَ ﴿۱۲۹﴾

ہم نے (الیاس علیہ السلام) کا ذکر خیر پچھلوں میں بھی باقی رکھا۔(۱۲۹)

سَلٰمٌ عَلٰۤى اِلْ یَاسِیْنَ ﴿۱۳۰﴾

کہ الیاس پر سلام ہو۔[5] (۱۳۰)

---

(۱) یہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد میں سے ایک اسرائیلی نبی تھے۔ یہ جس علاقے میں بھیجے گئے تھے اس کا نام بعلبک تھا' بعض کہتے ہیں اس جگہ کا نام سامرہ ہے جو فلسطین کا مغربی وسطی علاقہ ہے۔ یہاں کے لوگ بعل نامی بت کے پجاری تھے۔ (بعض کہتے ہیں یہ دیوی کا نام تھا)

(۲) یعنی اس کے عذاب اور گرفت سے' کہ اسے چھوڑ کر تم غیر اللہ کی عبادت کرتے ہو۔

(۳) یعنی اس کی عبادت و پرستش کرتے ہو' اس کے نام کی نذر نیاز دیتے اور اس کو حاجت روا سمجھتے ہو' جو پتھر کی مورتی ہے اور جو ہر چیز کا خالق اور اگلوں پچھلوں سب کا رب ہے' اس کو تم نے فراموش کر رکھا ہے۔

(۴) یعنی توحید و ایمان سے انکار کی پاداش میں جہنم کی سزا بھگتیں گے۔

(۵) الیاسین' الیاس علیہ السلام ہی کا ایک تلفظ ہے' جیسے طور سینا کو طور سینین بھی کہتے ہیں۔ حضرت الیاس علیہ

اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿١٣١﴾	ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں۔(١٣١)
اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٣٢﴾	بیشک وہ ہمارے ایمان دار بندوں میں سے تھے۔[١] (١٣٢)
وَاِنَّ لُوْطًا لَّمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٣﴾	بیشک لوط (علیہ السلام بھی) پیغمبروں میں سے تھے۔(١٣٣)
اِذْ نَجَّيْنٰهُ وَاَهْلَهٗٓ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٣٤﴾	ہم نے انہیں اور ان کے گھر والوں کو سب کو نجات دی۔(١٣٤)
اِلَّا عَجُوْزًا فِي الْغٰبِرِيْنَ ﴿١٣٥﴾	بجز اس بڑھیا کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں رہ گئی۔[٢] (١٣٥)
ثُمَّ دَمَّرْنَا الْاٰخَرِيْنَ ﴿١٣٦﴾	پھر ہم نے اوروں کو ہلاک کر دیا۔(١٣٦)
وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ ﴿١٣٧﴾	اور تم تو صبح ہونے پر ان کی بستیوں کے پاس سے گزرتے ہو۔(١٣٧)
وَبِالَّيْلِ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿١٣٨﴾	اور رات کو بھی، کیا پھر بھی نہیں سمجھتے؟[٣] (١٣٨)
وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٣٩﴾	اور بلاشبہ یونس (علیہ السلام) نبیوں میں سے تھے۔(١٣٩)

السلام کو دوسری کتابوں میں ''ایلیا'' بھی کہا گیا ہے۔

(١) قرآن نے نبیوں اور رسولوں کا ذکر کر کے، ان کے لیے اکثر جگہ یہ الفاظ استعمال کیے ہیں کہ وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھا۔ جس سے دو مقصد ہیں۔ ایک ان کے اخلاق و کردار کی رفعت کا اظہار جو ایمان کا لازمی جز ہے۔ تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو بہت سے پیغمبروں کے بارے میں اخلاقی کمزوریوں کا اثبات کرتے ہیں، جیسے تورات و انجیل کے موجودہ نسخوں میں متعدد پیغمبروں کے بارے میں ایسے من گھڑت قصے کہانیاں درج ہیں۔ دوسرا مقصد ان لوگوں کی تردید ہے جو بعض انبیا کی شان میں غلو کر کے ان کے اندر الٰہی صفات و اختیارات ثابت کرتے ہیں۔ یعنی وہ پیغمبر ضرور تھے لیکن تھے بہرحال اللہ کے بندے اور اس کے غلام نہ کہ اِلٰہ یا اس کے جزیا اس کے شریک۔

(٢) اس سے مراد حضرت لوط علیہ السلام کی بیوی ہے جو کافرہ تھی، یہ اہل ایمان کے ساتھ اس بستی سے باہر نہیں گئی تھی، کیونکہ اسے اپنی قوم کے ساتھ ہلاک ہونا تھا، چنانچہ وہ بھی ہلاک کر دی گئی۔

(٣) یہ اہل مکہ سے خطاب ہے جو تجارتی سفر میں ان تباہ شدہ علاقوں سے آتے جاتے، گزرتے تھے۔ ان کو کہا جا رہا ہے کہ تم صبح کے وقت بھی اور رات کے وقت بھی ان بستیوں سے گزرتے ہو، جہاں اب مردار بحیرہ ہے، جو دیکھنے میں بھی نہایت کریہ ہے اور سخت متعفن اور بدبودار۔ کیا تم انہیں دیکھ کر یہ بات نہیں سمجھتے کہ تکذیب رسل کی وجہ سے ان کا یہ بدانجام ہوا، تو تمہاری اس روش کا انجام بھی اس سے مختلف کیوں کر ہو گا؟ جب تم بھی وہی کام کر رہے ہو، جو انہوں نے کیا تو پھر تم اللہ کے عذاب سے کیوں کر محفوظ رہو گے؟

اِذۡ اَبَقَ اِلَی الۡفُلۡکِ الۡمَشۡحُوۡنِ ﴿۱۴۰﴾
جب بھاگ کر پہنچے بھری کشتی پر۔(۱۴۰)

فَسَاہَمَ فَکَانَ مِنَ الۡمُدۡحَضِیۡنَ ﴿۱۴۱﴾
پھر قرعہ اندازی ہوئی تو یہ مغلوب ہو گئے۔(۱۴۱)

فَالۡتَقَمَہُ الۡحُوۡتُ وَ ہُوَ مُلِیۡمٌ ﴿۱۴۲﴾
تو پھر انہیں مچھلی نے نگل لیا اور وہ خود اپنے آپ کو ملامت[1] کرنے لگ گئے۔(۱۴۲)

فَلَوۡ لَاۤ اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الۡمُسَبِّحِیۡنَ ﴿۱۴۳﴾
پس اگر یہ پاکی بیان کرنے والوں میں سے نہ ہوتے۔(۱۴۳)

لَلَبِثَ فِیۡ بَطۡنِہٖۤ اِلٰی یَوۡمِ یُبۡعَثُوۡنَ ﴿۱۴۴﴾
تو لوگوں کے اٹھائے جانے کے دن تک اس کے پیٹ میں ہی رہتے۔[2] (۱۴۴)

فَنَبَذۡنٰہُ بِالۡعَرَآءِ وَ ہُوَ سَقِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾
پس انھیں ہم نے چٹیل میدان میں ڈال دیا اور وہ اس وقت بیمار تھے۔[3] (۱۴۵)

(۱) حضرت یونس علیہ السلام عراق کے علاقے نینوی (موجودہ موصل) میں نبی بنا کر بھیجے گئے تھے' یہ آشوریوں کا پایۂ تخت تھا' انہوں نے ایک لاکھ بنو اسرائیلیوں کو قیدی بنایا ہوا تھا' چنانچہ ان کی ہدایت و رہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف حضرت یونس علیہ السلام کو بھیجا' لیکن یہ قوم آپ پر ایمان نہیں لائی۔ بالآخر اپنی قوم کو ڈرایا کہ عنقریب تم عذاب الٰہی کی گرفت میں آجاؤ گے۔ عذاب میں تاخیر ہوئی تو اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنے طور پر وہاں سے نکل گئے اور سمندر پر جا کر ایک کشتی میں سوار ہو گئے۔ اپنے علاقے سے نکل کر جانے کو ایسے لفظ سے تعبیر کیا جس طرح ایک غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جاتا ہے۔ کیونکہ آپ بھی اللہ کی اجازت کے بغیر ہی اپنی قوم کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ کشتی سواروں اور سامانوں سے بھری ہوئی تھی۔ کشتی سمندر کی موجوں میں گھر گئی اور کھڑی ہو گئی۔ چنانچہ اس کا وزن کم کرنے کے لیے ایک آدھ آدمی کو کشتی سے سمندر میں پھینکنے کی تجویز سامنے آئی تاکہ کشتی میں سوار دیگر انسانوں کی جانیں بچ جائیں۔ لیکن یہ قربانی دینے کے لیے کوئی تیار نہیں تھا۔ اس لیے قرعہ اندازی کرنی پڑی' جس میں حضرت یونس علیہ السلام کا نام آیا۔ اور وہ مغلوبین میں سے ہو گئے' یعنی طوعاً و کرہاً اپنے کو بھاگے ہوئے غلام کی طرح سمندر کی موجوں کے سپرد کرنا پڑا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انہیں ثابت نگل لے اور یوں حضرت یونس علیہ السلام اللہ کے حکم سے مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔

(۲) یعنی توبہ و استغفار اور اللہ کی تسبیح بیان نہ کرتے' (جیسا کہ انہوں نے ﴿ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنۡتَ سُبۡحٰنَکَ ٭ۖ اِنِّیۡ کُنۡتُ مِنَ الظّٰلِمِیۡنَ ﴾ الأنبیاء۔ ۸۷ کہا) تو قیامت تک وہ مچھلی کے پیٹ میں ہی رہتے۔

(۳) جیسے ولادت کے وقت بچہ یا جانور کا چوزہ ہوتا ہے' مضمحل 'کمزور اور ناتواں۔

وَاَنۡۢبَتۡنَا عَلَيۡهِ شَجَرَةً مِّنۡ يَّقۡطِيۡنٍ ﴿١٤٦﴾	اور ان پر سایہ کرنے والا ایک بیل دار درخت[1] ہم نے اگا دیا-(۱۴۶)
وَاَرۡسَلۡنٰهُ اِلٰى مِائَةِ اَلۡفٍ اَوۡ يَزِيۡدُوۡنَ ﴿١٤٧﴾	اور ہم نے انھیں ایک لاکھ بلکہ اور زیادہ آدمیوں کی طرف بھیجا-(۱۴۷)
فَاٰمَنُوۡا فَمَتَّعۡنٰهُمۡ اِلٰى حِيۡنٍ ﴿١٤٨﴾	پس وہ ایمان لائے،[2] اور ہم نے انھیں ایک زمانہ تک عیش و عشرت دی-(۱۴۸)
فَاسۡتَفۡتِهِمۡ اَلِرَبِّكَ الۡبَنَاتُ وَلَهُمُ الۡبَنُوۡنَ ﴿١٤٩﴾	ان سے دریافت کیجئے! کہ کیا آپ کے رب کی تو بیٹیاں ہیں اور ان کے بیٹے ہیں؟(۱۴۹)
اَمۡ خَلَقۡنَا الۡمَلٰٓئِكَةَ اِنَاثًا وَّهُمۡ شٰهِدُوۡنَ ﴿١٥٠﴾	یا یہ اس وقت موجود تھے جبکہ ہم نے فرشتوں کو مؤنث پیدا کیا-[3] (۱۵۰)
اَلَاۤ اِنَّهُمۡ مِّنۡ اِفۡكِهِمۡ لَيَقُوۡلُوۡنَ ﴿١٥١﴾	آگاہ رہو! کہ یہ لوگ صرف اپنی افترا پردازی سے کہہ رہے ہیں-(۱۵۱)
وَلَدَ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّهُمۡ لَكٰذِبُوۡنَ ﴿١٥٢﴾	کہ اللہ تعالیٰ کی اولاد ہے-یقیناً یہ محض جھوٹے ہیں-(۱۵۲)
اَصۡطَفَى الۡبَنَاتِ عَلَى الۡبَنِيۡنَ ﴿١٥٣﴾	کیا اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دی-[4] (۱۵۳)
مَا لَكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ﴿١٥٤﴾	تمہیں کیا ہو گیا ہے کیسے حکم لگاتے پھرتے ہو؟(۱۵۴)
اَفَلَا تَذَكَّرُوۡنَ ﴿١٥٥﴾	کیا تم اس قدر بھی نہیں سمجھتے؟[5] (۱۵۵)

(۱) یقطین ہر اس بیل کو کہتے ہیں جو اپنے تنے پر کھڑی نہیں ہوتی، جیسے لوکی، کدو وغیرہ کی بیل-یعنی اس چٹیل میدان میں جہاں کوئی درخت تھا نہ عمارت-ایک سایہ دار بیل اگا کر ہم نے ان کی حفاظت فرمائی-

(۲) ان کے ایمان لانے کی کیفیت کا بیان سورۂ یونس ۹۸ میں گزر چکا ہے-

(۳) یعنی فرشتوں کو جو یہ اللہ کی بیٹیاں قرار دیتے ہیں تو کیا جب ہم نے فرشتے پیدا کیے تھے، یہ اس وقت وہاں موجود تھے اور انہوں نے فرشتوں کے اندر عورتوں والی خصوصیات کا مشاہدہ کیا تھا-

(۴) جب کہ یہ خود اپنے لیے بیٹیاں نہیں، بیٹے پسند کرتے ہیں-

(۵) کہ اگر اللہ کی اولاد ہوتی تو ذکور ہوتی، جس کو تم بھی پسند کرتے اور بہتر سمجھتے ہو، نہ کہ بیٹیاں، جو تمہاری نظروں میں کمتر اور حقیر ہیں-

اَمْ لَكُمْ سُلْطٰنٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵۶﴾

یا تمہارے پاس اس کی کوئی صاف دلیل ہے۔(۱۵۶)

فَاْتُوْا بِكِتٰبِكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۵۷﴾

تو جاؤ اگر سچے ہو تو اپنی ہی کتاب لے آؤ۔[1] (۱۵۷)

وَجَعَلُوْا بَيْنَهٗ وَبَيْنَ الْجِنَّةِ نَسَبًا ۭ وَلَقَدْ عَلِمَتِ الْجِنَّةُ اِنَّهُمْ لَمُحْضَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

اور ان لوگوں نے تو اللہ کے اور جنات کے درمیان بھی قرابت داری ٹھہرائی[2] ہے، اور حالانکہ خود جنات کو معلوم ہے کہ وہ (اس عقیدہ کے لوگ عذاب کے سامنے) پیش کیے جائیں گے۔[3] (۱۵۸)

سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۵۹﴾

جو کچھ یہ (اللہ کے بارے میں) بیان کر رہے ہیں اس سے اللہ تعالیٰ بالکل پاک ہے۔(۱۵۹)

اِلَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ﴿۱۶۰﴾

سوائے! اللہ کے مخلص بندوں کے۔[4] (۱۶۰)

فَاِنَّكُمْ وَمَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۶۱﴾

یقین مانو کہ تم سب اور تمہارے معبودان (باطل)۔(۱۶۱)

مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ بِفٰتِنِيْنَ ﴿۱۶۲﴾

کسی ایک کو بھی بہکا نہیں سکتے۔(۱۶۲)

اِلَّا مَنْ هُوَ صَالِ الْجَحِيْمِ ﴿۱۶۳﴾

بجز اس کے جو جہنمی ہی ہے۔[5] (۱۶۳)

وَمَا مِنَّآ اِلَّا لَهٗ مَقَامٌ مَّعْلُوْمٌ ﴿۱۶۴﴾

(فرشتوں کا قول ہے کہ) ہم میں سے تو ہر ایک کی جگہ

---

(۱) یعنی عقل تو اس عقیدے کی صحت کو تسلیم نہیں کرتی کہ اللہ کی اولاد ہے اور وہ بھی مؤنث، چلو کوئی نقلی دلیل ہی دکھا دو، کوئی کتاب جو اللہ نے اتاری ہو، اس میں اللہ کی اولاد کا اعتراف یا حوالہ ہو؟

(۲) یہ اشارہ ہے مشرکین کے اس عقیدے کی طرف کہ اللہ نے جنات کے ساتھ رشتہ ازدواج قائم کیا، جس سے لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ یہی بنات اللہ، فرشتے ہیں۔ یوں اللہ تعالیٰ اور جنوں کے درمیان قرابت داری (سسرالی رشتہ) قائم ہو گیا۔

(۳) حالانکہ یہ بات کیوں کر صحیح ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ جنات کو عذاب میں کیوں ڈالتا؟ کیا وہ اپنی قرابت داری کا لحاظ نہ کرتا؟ اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ خود جنات بھی جانتے ہیں کہ انہیں عقاب و عذاب الٰہی بھگتنے کے لیے ضرور جہنم میں جانا ہو گا، تو پھر اللہ اور جنوں کے درمیان قرابت داری کس طرح ہو سکتی ہے؟

(۴) یعنی یہ اللہ کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کہتے جن سے وہ پاک ہے۔ یہ مشرکین ہی کا شیوہ ہے۔ یا یہ مطلب ہے کہ جہنم میں جنات اور مشرکین ہی حاضر کیے جائیں گے، اللہ کے مخلص (چنے ہوئے) بندے نہیں۔ ان کے لیے تو اللہ نے جنت تیار کر رکھی ہے۔ اس صورت میں یہ لَمُحْضَرُوْنَ سے استثنا ہے اور تسبیح جملہ معترضہ ہے۔

(۵) یعنی تم اور تمہارے معبودان باطلہ کسی کو گمراہ کرنے پر قادر نہیں ہیں، سوائے ان کے جو اللہ کے علم میں پہلے ہی جہنمی ہیں۔ اور اسی وجہ سے وہ کفر و شرک پر مصر ہیں۔

مقرر ہے۔[1] (۱۶۴)

وَّاِنَّا لَنَحْنُ الصَّاۗفُّوْنَ ١٦٥

اور ہم تو (بندگیٔ الٰہی میں) صف بستہ کھڑے ہیں۔ (۱۶۵)

وَاِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُوْنَ ١٦٦

اور اس کی تسبیح بیان کر رہے ہیں۔[2] (۱۶۶)

وَاِنْ كَانُوْا لَيَقُوْلُوْنَ ١٦٧

کفار تو کہا کرتے تھے۔ (۱۶۷)

لَوْ اَنَّ عِنْدَنَا ذِكْرًا مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ١٦٨

کہ اگر ہمارے سامنے اگلے لوگوں کا ذکر ہوتا۔ (۱۶۸)

لَكُنَّا عِبَادَ اللّٰهِ الْمُخْلَصِيْنَ ١٦٩

تو ہم بھی اللہ کے چیدہ بندے بن جاتے۔[3] (۱۶۹)

فَكَفَرُوْا بِهٖ فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ١٧٠

لیکن پھر اس قرآن کے ساتھ کفر کر گئے[4] پس اب عنقریب جان لیں گے۔[5] (۱۷۰)

وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِيْنَ ١٧١

اور البتہ ہمارا وعدہ پہلے ہی اپنے رسولوں کے لیے صادر ہو چکا ہے۔ (۱۷۱)

اِنَّهُمْ لَهُمُ الْمَنْصُوْرُوْنَ ١٧٢

کہ یقیناً وہ ہی مدد کیے جائیں گے۔ (۱۷۲)

وَاِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ ١٧٣

اور ہمارا ہی لشکر غالب (اور برتر) رہے گا۔[6] (۱۷۳)

فَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ١٧٤

اب آپ کچھ دنوں تک ان سے منہ پھیر لیجئے۔[7] (۱۷۴)

وَّاَبْصِرْهُمْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ١٧٥

اور انہیں دیکھتے رہیئے[8] اور یہ بھی آگے چل کر دیکھ

---

(۱) یعنی اللہ کی عبادت کے لیے۔ یہ فرشتوں کا قول ہے۔

(۲) مطلب یہ ہے کہ فرشتے بھی اللہ کی مخلوق اور اس کے خاص بندے ہیں جو ہر وقت اللہ کی عبادت میں اور اس کی تسبیح و تقدیس میں مصروف رہتے ہیں' نہ کہ وہ اللہ کی بیٹیاں ہیں جیسا کہ مشرکین کہتے ہیں۔

(۳) ذکر سے مراد کوئی کتاب الٰہی یا پیغمبر ہے۔ یعنی یہ کفار نزول قرآن سے پہلے کہا کرتے تھے کہ ہمارے پاس بھی کوئی آسمانی کتاب ہوتی' جس طرح پہلے لوگوں پر تورات وغیرہ نازل ہوئیں۔ یا کوئی ہادی اور منذر ہمیں وعظ و نصیحت کرنے والا ہوتا' تو ہم بھی اللہ کے خالص بندے بن جاتے۔

(۴) یعنی ان کی آرزو کے مطابق جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہادی بن کر آگئے' قرآن مجید بھی نازل کر دیا گیا تو ان پر ایمان لانے کے بجائے' ان کا انکار کر دیا۔

(۵) یہ تہدید و وعید ہے کہ اس تکذیب کا انجام عنقریب ان کو معلوم ہو جائے گا۔

(۶) جیسے دوسرے مقام پر فرمایا' ﴿ كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ ﴾ (المجادلة-۲۱)

(۷) یعنی ان کی باتوں اور ایذاؤں پر صبر کیجئے۔

(۸) کہ کب ان پر اللہ کا عذاب آتا ہے؟

لیں گے۔(۱۷۵)

اَفَبِعَذَابِنَا يَسْتَعْجِلُوْنَ ﴿۱۷۶﴾

کیا یہ ہمارے عذاب کی جلدی مچا رہے ہیں؟(۱۷۶)

فَاِذَا نَزَلَ بِسَاحَتِهِمْ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ ﴿۱۷۷﴾

سنو! جب ہمارا عذاب ان کے میدان میں اتر آئے گا اس وقت ان کی جن کو متنبہ کر دیا گیا تھا[1] بڑی بری صبح ہو گی۔(۱۷۷)

وَتَوَلَّ عَنْهُمْ حَتّٰى حِيْنٍ ﴿۱۷۸﴾

آپ کچھ وقت تک ان کا خیال چھوڑ دیجئے۔(۱۷۸)

وَّاَبْصِرْ فَسَوْفَ يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

اور دیکھتے رہئے یہ بھی ابھی ابھی دیکھ لیں گے۔[2] (۱۷۹)

سُبْحٰنَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۸۰﴾

پاک ہے آپ کا رب جو بہت بڑی عزت والا ہے ہر اس چیز سے (جو مشرک) بیان کرتے ہیں۔[3] (۱۸۰)

وَسَلٰمٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۸۱﴾

پیغمبروں پر سلام ہے۔[4] (۱۸۱)

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۸۲﴾

اور سب طرح کی تعریف اللہ کے لیے ہے جو سارے جہان کا رب ہے۔[5] (۱۸۲)

---

(۱) مسلمان جب خیبر پر حملہ کرنے گئے' تو یہودی انہیں دیکھ کر گھبرا گئے' جس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اللہ اکبر کہہ کر فرمایا تھا۔ «خَرِبَتْ خَيْبَرُ، إِنَّا إِذَا نَزَلْنَا بِسَاحَةِ قَوْمٍ فَسَآءَ صَبَاحُ الْمُنْذَرِيْنَ» (صحیح بخاری' کتاب الصلاۃ' باب ما یذکر فی الفخذ' مسلم' کتاب الجهاد باب غزوۃ خیبر)

(۲) یہ بطور تاکید دوبارہ فرمایا۔ یا پہلے جملے سے مراد دنیا کا وہ عذاب ہے جو اہل مکہ پر بدر و احد اور دیگر جنگوں میں مسلمانوں کے ہاتھوں کافروں کے قتل و سلب کی صورت میں آیا۔ اور دوسرے جملے میں اس عذاب کا ذکر ہے جس سے یہ کفار و مشرکین آخرت میں دوچار ہوں گے۔

(۳) اس میں عیوب و نقائص سے اللہ کے پاکیزہ ہونے کا بیان ہے جو مشرکین اللہ کے لیے بیان کرتے ہیں' مثلاً اس کی اولاد ہے' یا اس کا کوئی شریک ہے۔ یہ کوتاہیاں بندوں کے اندر ہیں اور اولاد یا شریکوں کے ضرورت مند بھی وہی ہیں' اللہ ان سب باتوں سے بہت بلند اور پاک ہے۔ کیونکہ وہ کسی کا محتاج ہی نہیں ہے کہ اسے اولاد کی یا کسی شریک کی ضرورت پیش آئے۔

(۴) کہ انہوں نے اللہ کا پیغام اہل دنیا کی طرف پہنچایا' جس پر یقیناً وہ سلام و تبریک کے مستحق ہیں۔

(۵) یہ بندوں کو سمجھایا جا رہا ہے کہ اللہ نے تم پر احسان کیا ہے' پیغمبر بھیجے' کتابیں نازل کیں اور پیغمبروں نے تمہیں اللہ کا پیغام پہنچایا' اس لیے تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ بعض کہتے ہیں کہ کافروں کو ہلاک کر کے اہل ایمان اور پیغمبروں کو بچایا' اس پر شکر الٰہی کرو۔ حمد کے معنی ہیں بہ قصد تعظیم ثناء جمیل' ذکر خیر اور عظمت شان بیان کرنا۔